ڈارون کا نظریۂ ارتقاء[1]

(۲)

عبد الحمید صدیقی

ایک انسان جب ڈارون کے نظریۂ ارتقا کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے تو اس کے ذہن میں فوراً یہ سوال اُبھرتا ہے کہ جب اس میں اس قدر اسقام پائے جاتے ہیں تو وکٹورین عہد کے اہلِ سائنس نے ایسے خام نظریے پر اس قدر تیزی کے ساتھ کیوں لبیک کہا؟ اس کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ایمان باللہ کے خلاف اس عہد میں جو تعصب پھیلا ہوا تھا، وہی اس کو لبیک کہنے کا سبب ہوا۔ پالی (PALEY) نے مشاہداتِ فطرت سے خدا کی ہستی پر جو استدلال کیا تھا، اور تخلیق کے وجود سے خالق کے وجود پر جو دلائل قائم کیے تھے وہ ایسے قوی تھے کہ دہریوں کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ ڈارون نے آگے بڑھ کر یہ نظریہ پیش کیا کہ قدرت کے اس کارخانہ میں جو انتظام و انصرام یا جو منصوبہ بندی نظر آتی ہے یہ محض بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے۔ یہ جواب خواہ کتنا ہی کمزور رہا، مگر چونکہ سائنٹیفک طریقِ استدلال کے ساتھ پیش کیا گیا تھا، اس لیے اہلِ سائنس نے اسے فوراً قبول کر لیا اور اس شد و مد سے اس کا صور پھونکا کہ خدا پرستی کا اعتقاد متزلزل ہو گیا۔ باوجودیکہ بالغ النظر سائنس دان ڈارون کے نظریے کو پوری طرح تسلیم نہ کرتے تھے اور اس میں بہت سی خامیاں انہیں نظر آتی تھیں مگر اسی مذہب بیزاری (THE OPHOBIA) نے انہیں مجبور کیا کہ اس خام نظریے ہی کا ڈھول پیٹیں۔ مثال کے طور پر ہکسلے کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ وہ ڈارون کے نظریے کو پوری طرح نہیں مانتا تھا مگر اس کے باوجود اس نے ڈارونیت کی زبردست حمایت محض اس بنا پر کی کہ یہ نظریہ ایک خالق کے وجود اور اس کی تخلیق کے غیر مرغوب اعتقاد کی مخالفت کے لیے ایک اچھا آلۂ کار بن سکتا ہے۔

---

[1] اس مضمون کی پہلی قسط ترجمان القرآن جلد ۵۰ عدد ۶ میں شائع ہو چکی ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف خود اس نظریے کے بڑے بڑے حامیوں تک نے کیا ہے۔ اسی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے وائس مین (WEISSMANN) لکھتا ہے:

"کائنات کی تعبیر کے لیے ہم انتخابِ طبیعی کے اصول کو اس بنا پر مانتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اصول ایسا نہیں جو اس کارخانۂ قدرت کی خالق کے اقرار کے بغیر کوئی دل لگتی تشریح کر سکے۔"

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ایک ایسا استدلال جو کسی طرح قابلِ اعتماد نہیں ہے صرف اس لیے قبول کر لینا چاہیے کہ اگر ہم اس کو قبول نہ کریں تو ہمیں خدا کی ہستی اور اس کی صانعیت و ربوبیت ماننی پڑے گی۔

اسی طرح پروفیسر ڈی لیج (DELAGE) جو پیرس یونیورسٹی میں علم نباتات کا معلم ہے ڈارون کے نظریئے پر بشدت نکتہ چینی کرتا ہے اور اُسے رد کر دیتا ہے مگر آخر میں لکھتا ہے:

"ڈارون کی شہرتِ دوام کی اصل اور حقیقی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نے ذی روح اشیاء کے جسمانی تغیر و تبدل کے ہوش ربا عمل کو کسی مافوق الطبیعی ذات کی کرشمہ سازی کی بجائے خارجی عوامل کا نتیجہ ثابت کیا ہے۔"

وقوع بلا علت (SPONTANEOS GENERATION) کا نظریہ جو ڈارون کے فکر کی جان ہے، مشاہدہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور اس امر کے اثبات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی کہ بے جان مادے سے زندگی خود بخود اُبھر آتی ہے لیکن خدا سے بیزار مادہ پرست اس کو بے دلیل مانتے چلے جاتے ہیں۔ وائس مین مغرب کی اس ہٹ دھرمی کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

"وقوع بلا علت کو اگرچہ کوئی کوشش صحیح اور برحق تو ثابت نہیں کر سکی لیکن ہم اسے ایک منطقی ضرورت کے طور پر ماننے کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔"

آخر سوچیے کہ یہ "منطقی ضرورت" کس قدر غیر منطقی ہے۔ منطق کا ہرگز یہ مقتضی نہیں کہ ہم تمام دلائل و شواہد سے قطع نظر کر کے ایک نتیجے کو صرف اس لیے مان لیں کہ ہم ایک خیالی مقدمے سے

خواہ مخواہ محبت رکھتے ہیں۔ اور ہم نے اس مقدمے کو بغیر کسی معقول وجہ اور ثبوت کے صحیح فرض کر لیا ہے۔ منطق کا اقتضا تو یہ ہے کہ ہم کسی ایسے نتیجے کو تسلیم نہ کریں جس کے مقدمات ثابت شدہ نہ ہوں، اور جس کے مقدمات کی صحت کا پوری طرح اطمینان نہ کر لیا گیا ہو۔ وانس من اور اس کی سی ذہنیت رکھنے والوں نے پہلے یہ مقدمہ فرض کر لیا ہے کہ خدا نہیں ہے مگر دوسری طرف اپنے سامنے جب ایک عالم کو موجود پایا تو ان دونوں مقدمات کی ترتیب سے یہ نتیجہ خواہ مخواہ اخذ کر لیا کہ عالم خود بخود پیدا ہوا ہے۔ درآں حالیکہ "خدا نہیں ہے" کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور یہ مقدمہ خود محتاجِ دلیل ہے مگر یہ لوگ مصر ہیں کہ نتیجہ کو ضرور مان لیا جائے۔ ان لوگوں کی عقل پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ یہ عالم کو ایک صانع حکیم کی تخلیق کا نتیجہ ماننے کے لیے تو تیار نہیں ہوتے مگر یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں کہ یہ عالم ایک بے جان، بے روح، بے عقل مادے کے محض امتزاجی عمل کا نتیجہ ہے اور کسی مقصد و غایت کے بغیر خواہ مخواہ چل رہا ہے۔

اس نظریہ کو جن اسباب کی بنا پر ایک زبردست شہرت حاصل ہوئی اُن میں بہت کچھ دخل پادریوں کے غیر دانشمندانہ رویہ کا بھی ہے۔ انہوں نے مذہب کو اس انداز سے پیش کیا کہ لوگوں کے اندر مذہب سے نفرت، اور ایک ایسے عقیدہ کے لیے ایک جذباتی لگن پیدا ہو گئی جو مذہب اور اس کے معتقدات سے انحراف کے لیے انسانی ذہن کو تیار کرے۔ انگلستان کا مشہور طنز نگار برنارڈ شا اس نظریہ کی غیر معمولی مقبولیت کے وجوہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہمیں اس بات کا پوری طرح احساس ہونا چاہیے کہ جب اس نظریہ کا غلغلہ بلند ہوا تو یورپ میں کس قسم کے مذہبی اعتقادات پائے جاتے تھے۔ خدا کے بارے میں ایک عام تصور یہ تھا کہ وہ ایک خوفناک قسم کا مطلق العنان بادشاہ ہے جس کی سیرت کا خمیر حسد، بغض اور کینہ کے عناصر سے اٹھایا گیا ہے۔ اُسے انسانیت کو دکھ پہنچانے میں گوناگوں لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس تصور کی موجودگی میں اہلِ کلیسا جسمانی تکلیف کے رفع کرنے کی مختلف تدابیر کو خداوند تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ میں دخل اندازی سمجھتے تھے۔ جب خالق

کائنات کے متعلق کسی سوسائٹی میں اس قسم کے باطل اور گمراہ کُن نظریات موجود ہوں تو پھر اس سوسائٹی کا ڈاروِن کے نظریۂ ارتقاد کو قبول کر لینا کوئی ایسی بات نہیں جو انسانی سمجھ میں نہ آسکے۔"

یہ سب حقائق اس بات پر شاہد ہیں کہ یورپ میں کچھ دلائل اور شواہد ایسے نہ تھے جنہوں نے خدا سے بیزار مادہ پرستوں کو خدا کے انکار اور نظام عالم کی میکانکی توجیہ پر آمادہ کیا، بلکہ وہ محض جذبات تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے خدا پرستی کے خلاف بھڑک اٹھے تھے اور انہوں نے محض اس وجہ سے عالم کو خدا سے بے نیاز فرض کیا کہ وہ ایسا کرنا چاہتے تھے۔[۱]

[۱] تعصب اور ضد کے زیر اثر آ کر جذبات کا بہک جانا کوئی ایسی چیز نہیں جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہ ملتی ہو۔ انفرادی زندگی میں تو ہم قدم قدم پر اس سے دوچار ہوتے ہیں اور جب اجتماعی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں ایسی مثالوں کی کمی نہیں پاتے۔ دُور نہ جائیے اور دیکھیے کہ کیا اشتراکیت کو دولتمند اور سرمایہ دار طبقات کے خلاف اندھے غیظ و غضب نے جنم نہیں دیا جس طرح مذہبی طبقوں کے خلاف نفرت کا نتیجہ مادہ پرستی اور ڈاروِنیت کی شکل میں رونما ہوا اسی طرح سرمایہ دار طبقوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف ردّ عمل کے طور پر کمیونزم معرض وجود میں آیا۔ عقلیت دونوں جگہ نہ تھی۔ پھر چونکہ مذہبیت اور سرمایہ داری نظام دونوں کے علمبردار یورپ میں باہم متحد تھے، بلکہ دونوں کا ایک ہی طبقہ تھا، اس لیے کمیونزم اور لامذہبی دونوں باہم متحد ہو گئے اور اس اتحاد کا کلی ظہور روس میں ہوا، جہاں عہد زار کے نظام اجتماعی کے نقش کہن کو مٹانے کے لیے مذہب کو بھی تیاگ دینا لازمی اور ضروری سمجھا گیا۔ روس کی لادینی جن جذبات کے تحت ظہور پذیر ہوئی ان کو بخارین نے نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے:

"باگ (BOG) یعنی خدا کا لفظ اُسی مادہ سے مشتق ہے جس سے کہ لفظ امیر بنا ہے۔ اس لیے خدا، قوت، طاقت اور امارت کا ہم معنی ہے۔ ذات باری کا دوسرا نام لارڈ ہے یہ لفظ غلام کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بعض لوگ حاکم سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سارے الفاظ ایک ہی ذہنیت کے آئینہ دار ہیں۔ خدا پر یقین چند نفرت انگیز حسی اور مادی صفات کا[۲]

مادہ پرست بڑے طمطراق سے کہتے ہیں کہ ہم کسی بات کو بغیر کافی شہادت اور مضبوط دلائل کے نہیں مان سکتے۔ چنانچہ ہکسلے بڑے فخر کے ساتھ یہ لکھتا ہے:

"ہمارے نزدیک ہر وہ دعویٰ جس کی پشت پر شواہد نہ ہوں نہ صرف باطل ہے بلکہ ایک عظیم جرم بھی ہے۔"

مگر اس قسم کے معیار صرف دین اور دینی عقائد کو پرکھنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ رہی مادیت تو اس کو قبول کرنے کے لیے یہ عقلیت مآب نہ تو کسی شہادت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی کسی دلیل کے طلبگار ہوتے ہیں۔

سائنس کے علمبردار اہلِ مذہب پر جو سب سے بڑا الزام لگا سکتے ہیں وہ تعصب، تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کا ہے۔ لیکن تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اصل سائنس بھی اس الزام سے بری نہیں۔ اگر کوئی شخص اہلِ سائنس کے معتقدات کے خلاف اعتقاد رکھتا اور سائنس کے مسلمہ نظریات کو نہ مانتا ہو، یا علانیہ روحانیت کا قائل ہو تو آج بھی کسی سائنٹفک فیلوشپ کا کامیاب امیدوار نہیں ہو سکتا۔

پھر اس ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ شہادت کی قدر و قیمت جانچنے میں انسان کے تعصب کا اعتبار کیا جا سکتا ہے مگر دلائل کی قوت یا کمزوری کے معاملے میں تعصب و عدم تعصب کا لحاظ کرنا درست نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ارواح پر اعتقاد رکھتا ہے تو جن بھوت کے متعلق اس کی شہادت کو جانچنے میں ہم اس کے تعصب کا ضرور لحاظ کریں گے کیونکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی نظر پر اس کے اعتقادِ ارواح کا تسلط ہے لیکن کسی شخص کے دلائل کے مقابلے میں یہ استدلال کرنا کہ وہ متعصب ہے ایک احمقانہ بات ہے۔

م۔ اظہار ہے۔ یہ نہ صرف اس دنیا میں غلامی بلکہ ساری کائنات میں غلامی کے اقرار کا دوسرا نام ہے۔"

ان الفاظ سے اس امر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خدا کے انکار کے لیے کس قسم کے بھونڈے دلائل لائے جا رہے ہیں۔

دنیا کا ہر وہ شخص جو اپنا کچھ نظریہ یا اعتقاد رکھتا ہے کسی حد تک متعصب ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو مذہبی اور لامذہبی دونوں طریقوں کے پیرو اپنے مخصوص طریقے کے حق میں متعصب ہیں لیکن لادین اہلِ سائنس ہمیشہ تعصب کا بہانہ بنا کر اہلِ دین کی تنقیدوں کو رد کر دیتے ہیں حالانکہ اہلِ مذہب کے دلائل کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ مشہور سائنس دان میوارٹ (MIVART) نے ڈارون کے نظریے کے پرخچے اڑا دیئے اور اس قدر مدلل تنقید کی جس کا جواب کسی ڈارونی سے بن نہ آیا مگر اس کے نقد کو صرف اس لیے ناقابلِ اعتنا سمجھا گیا کہ وہ ایک ایسے گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو دنیائے سائنس سے خارج تھا۔

اگر محض کسی شخص کے اندر تعصب ثابت کر دینے پر اس کے خیالات کو رد کر دینا صحیح اور جائز ہو تو پھر مذہب پر ہلسے اور اسی کے ہم خیال لوگوں کے اعتراضات کو بھی ناقابلِ توجہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سب حضرات تعصب میں گرفتار تھے۔ معاملہ پھر اسی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ہر وکیل اور بیرسٹر کے دلائل کو صرف اس بنا پر ٹھکرایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے موکل کے حق میں تعصب رکھتا ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا فرد ہے جو تعصب کی ہر آلائش سے پاک اور منزہ ہو۔ ایک مضبوط دلیل بہرحال مضبوط ہے خواہ متعصب کی طرف سے پیش کی جائے یا غیر متعصب کی طرف سے۔ ایک مرتبہ انگلستان کے ایک جج نے ایک بیرسٹر کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

> "تمہارے دلائل محض اس بنا پر کمزور نہیں ہو سکتے کہ تم اپنے موکل کو قصور وار سمجھتے ہو یا وہ اس وجہ سے مضبوط نہیں ٹھہرائے جا سکتے کہ تم اسے معصوم خیال کرتے ہو۔"

تعصب کے اس عام الزام کے علاوہ ڈارون کے حامی لیسا اوقات مخالف کے دلائل کا محض یہ کہہ کر استخفاف کرتے ہیں کہ یہ شخص اناڑی (AMATEUR) ہے یا اس نے کبھی کوئی سائنٹفک تربیت نہیں پائی۔ یہاں پھر وہی غلطی کی جاتی ہے۔ ایک مصنف اگر کسی مسئلے میں اپنی شہادت بر اراست پیش کرے تو آپ سوال کر سکتے ہیں کہ وہ کس قابلیت کا آدمی ہے مگر جب وہ اپنے دلائل پیش کرے یا اعتراض کرے تو آپ کو اس کی حجت سے بحث کرنی چاہیے نہ کہ اس کی قابلیت سے۔